سلاطینِ سلاجقہ روم کے غیر مسلم رعایا بارے مذہبی رجحانات

Religious Attitudes towards Non-Muslim Subjects of the Seljuk Sultans of Rome

Dr. Hafiz Aamir Ali
Ph.D from Selcuk University Konya- Türkiye:
aamirali643768@gmail.com

Abstract:
This paper explores the intricate relations between Seljuk Rome and its non-Muslim subjects during a pivotal and prosperous period in Islamic history. It delves into the distinctive strategy employed by the Seljuk rulers, allowing non-Muslims not only to construct but also to refurbish their places of worship. Exemplifying this approach is Suleiman ibn Qutalmish, who not only permitted the reconstruction of churches but also extended financial support. The Seljuk era emerges as a golden age characterized by religious and intellectual freedoms, where justice was impartially meted out to non-Muslim communities, including Jews, Orthodox, Catholics, Armenians, Syriacs, and Roman Christians. The article underscores the significant role played by Sufis in the evolution of Islam in Anatolia, shedding light on the close relationships between rulers and Sufi leaders, such as Maulana Jalaluddin Rumi. It accentuates the amicable ties between Seljuk rulers and non-Muslims, emphasizing the distinctive methods employed by Sufis for the propagation of Islam. The paper concludes by discussing the marriages with non-Muslims pursued by Seljuk sultans for political reasons, unveiling the diplomatic and religious inclinations of Seljuk Turkey.

Keywords: *Seljuk Rome, Islamic History, Non-Muslim Subjects, Anatolian Civilization.*

تعارف:

مؤرخین کے لیے کسی بھی ایسی قوم کی ابتدائی تاریخ لکھنا انتہائی مشکل امر ہوتا ہے جو کہ اچانک تاریخ کے منظر نامہ پر بطور گڈریے ظاہر ہوئی ہو، قزاقوں کی صورت میں اسے عروج ملا ہو اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ حاکم بن جائے۔ 11ویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایسی ہی ایک قوم دنیا کے تاریخی منظر نامہ پر ظاہر ہوتی ہے۔ ترکوں کے اوغوز قبیلہ کی شاخ قنق سے تعلق رکھنے والے یہ سلجوقی اتراک، اغوزیبغو حکومت کے ایک صوباشی (کماندار)

سلجوق بیگ کی سربراہی میں 350ھ / 961ء کے سالوں میں وسطی ایشاء کے شہر ینگی کنت سے جند شہر، پھر وہاں سے بخارا کے قریب قصبہ نور میں 375ھ / 985-86ء میں آکر مقیم ہو گئے تھے[1]۔

کوئی بھی قوم بغیر کسی بڑی وجہ کے اپنا وطن ترک نہیں کرتی اور نہ ہی بغیر مقصد رہنے کی جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ جاتی ہے۔ اس لیے یہ لازم ہے کہ کچھ ایسے نامساعد حالات ہوں گے جن کی وجہ سے اس ترک قبلیہ کے لوگ بہت بڑی تعداد میں اپنے وطن اصلی کو چھوڑ کر مسلم شہروں میں آبسے۔ کچھ ترک مئورخین کا خیال ہے کہ ینگی کنت شہر جو کہ سلاجقہ کا اصلی وطن تھا میں طویل قحط سالی، قدرتی آفات، جانوروں کے لیے چارہ تلاش کرنے کی شدید کمی، فوجی کماندار سجلوق بیگ کا اغوز یبغو حکومت کے سربراہ کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا اور اس سے نقصان پہنچنے کے اندیشہ یا پھر اسلام کے لیے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت جیسے اسباب کی بنا پر اپنا وطن ترک کیا تھا[2]۔ البتہ یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ سبھی اسباب نے تھوڑا تھوڑا اثر کیا ہو اور بالآخر یہ لوگ اپنا وطنِ اصلی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

بہر حال اسباب جو بھی ہوں یہ بات تو یقینی ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے شروع میں خراسان اور ماوراالنھر کی مسلم اقوام اور حکومتوں نے ان اتراک کی موجودگی کا شدت سے احساس کیا۔ پہلی مرتبہ غزنوی سلطنت کے ساتھ مئی 1035ء میں خراسان میں لڑی گئی جنگ نساء، پھر 1038ء میں جنگ نشیاپور اور بالاخر مئی 1040ء میں سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کی افواج کو خراسان کے میدان دندانقان میں شکستِ فاش دیکر سلاجقہ نے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی لی تھی۔ غزنویوں کے خلاف اس فتح کے فوراًبعد ہی عباسی خلفیہ قائم بامر اللہ نے سن 435ھ / 1043ء میں مشہور شافعی فقہی ابوالحسن الماوردی کو سلجوقی سلطان طغرل بیگ کے پاس بھیجا۔

سلطان طغرل بیگ نے بھی خلیفہ کی شان وشوکت کے مطابق چار فرسخ اپنی قیام گاہ سے آگے آکر اس کا استقبال کیا اور خلیفہ کے صادق غلام ہونے کا اقرار کیا[3]۔ یوں عباسی خلافت سے مشروعیت کا پروانہ حاصل کرتے ہی سلاجقہ کو سیاسی

---

[1] Faruk Sümer "Selçuklular", *Türkiye Diyanet Vakfı*, Vol. 36, İstanbul 2009, p. 365.

[2] Abdolvahid Soofizadeh, Selçuklu Devleti Döneminde Horasan'ın Önemi, *Ankara Üniversitesi Dil ve Tarih-Coğrafya Fakültesi Dergisi*, 63/1 (2023), p. 3-5.

[3] ابن الأثير، عز الدين على بن أبي الكرم، الكامل في التاريخ،دار الكتاب العربي، بيروت، طبعه اول 1997، ج8، ص 47۔

قوت کے ساتھ ساتھ مذہبی مشروعیت بھی مل گئی تھی۔ یوں اب سلاجقہ سیاسی و مذہبی دونوں لحاظ سے حکمران تسلیم کر لیے گئے۔ انہی سلاجقہ نے ہجری تاریخ کے اعتبار سے پانچویں صدی کی ابتداء سے ساتویں ہجری کے آخر تک، چین سے لیکر بحیرہ روم، عدن سے لیکر خوارزم و بخاراتک ایک مضبوط سیاسی اقتدار قائم کر لیا تھا۔ لگ بھگ تین سو برس تک اس ترک حکومت نے سیاسی اعتبار سے چند نشیب و فراز کے ساتھ اپنا بہترین زمانہ گزارا۔ اس عرصہ کے مشہور اور طاقتور سلاطین میں سلطان طغرل بیگ، جعفر بیگ، مشہور فاتح سلطان الپ ارسلان، ملک شاہ، برکیارق، محمد اور سنجر جیسے فرمانروا گزرے تھے۔ ان کو ترک تاریخ میں "سلاجقہ عظام" کہا جاتا ہے۔ پھر اسی خاندان کے چند دیگر شہزادے، مختلف نئی جگہوں کو فتح کر کے ان میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیتے ہیں جن کا ایک نقشہ ذیل میں دیا گیا ہے[4]۔

نام سلطنت	ابتداء	اختتام
سلاجقہ عراق و کردستان	511ھ/1117ء	590ھ/1194ء
سلاجقہ شام	487ھ/1094ء	511ھ/1117
سلاجقہ کرمان	433ھ/1041ء	583ھ/1187ء
سلاجقہ روم	570ھ/1077	700ھ/1300ء

ہلال کی ماند بڑھی اس سطلنت کا اس عہد کی مضبوط ترین سلطنتوں میں سے غزنوی، آل بویہ اور بازنطینیوں کو شکستیں دیکر اتنے وسیع علاقہ پر قبضہ کر لینا ان خانہ بدوش ترکمانوں کا کثیر تعداد میں ہونا بھی ہمیں بتاتا ہے۔ 11 ویں صدی کا ایک جارجیائی مصنف ان ترکمانوں کی کثرت تعداد کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ " وہ (اتراک) ان علاقوں میں خیموں، گھوڑوں، گدھوں، بھیڑوں اور اونٹوں کیساتھ آکر قیام کرتے ہیں اور ایک پائی تک ادا نہیں کرتے۔۔۔ وہ

[4] مولانا مودودی، ابو الاعلی، سلاجقہ، ادارہ ترجمان القران، لاہور، جولائی 2021ء، ص14۔

اتنے طاقتور اور تعداد میں اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں دیکھتے ہی آپ کہیں گے کہ "دنیا کے سارے اتراک یہاں پر موجود ہیں۔ "سلطان کے بغیر انہیں کوئی یہاں سے نکالنے یا نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا"[5]۔

سلطنتِ سلاجقہ روم کا قیام:

تاریخ مسلسل سفر میں ہے اور اس سفر کے دوران کچھ دن ایسے بھی آجاتے ہیں جو کسی ایسے حادثے یا واقعے کو جنم دیتے ہیں جو تاریخ کے دھارے کو تبدیل کرنے کی وجہ سے ہمارے ذہنوں اور تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو جاتے ہیں۔ 26 اگست 1071ء جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ایک یادگار دن تھا جب سلجوقی سلطان الپ ارسلان کی سربراہی میں ترکمانوں نے مشرقی اناطولیہ میں واقعہ موش شہر کے قریب جنگ ملاز کرد میں بازنطینی سلطنت کو شکست فاش دی حتیٰ کہ بازنطینی شہنشاہ رومانوس ڈائیو جینس چہارم خود بھی سلاجقہ کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا۔ اپنی زندگی کے بیس برس رومن تاریخ کے لیے وقف کرنے والے انگریز مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی ضخیم کتاب "انحطاط و زوال سلطنتِ روما" میں اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "یونانی فوج تباہ ہو گئی۔ ان کا پڑاؤ لوٹ لیا گیا۔ اب مارے جانے والوں یا قیدیوں کی تعداد کا بیان غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یونانی مؤرخ تو صرف انمول موتی کے نقصان کا ذکر کرتے ہیں جو اندازے سے زیادہ ہوا۔ وہ یہ بتانا بھول گئے کہ اس تباہ کن روز یونانی حکومت کے تمام ایشائی صوبے ہمیشہ کے لیے یونانیوں کے ہاتھ سے نکل گئے[6]۔

مشرق و مغرب کے سب مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ جنگ ملاز کرد تاریخ کا دھارا تبدیل کر دینے والی جنگ تھی کیونکہ اس دن بازنطینی سلطنت اپنے مشرقی علاقے ہمیشہ کے لیے ترکوں کے ہاتھوں ہار گئی جبکہ دوسری جانب اتراک کے لیے اناطولیہ کا دروازہ کھل گیا تھا۔

---

[5] Robert W. Thomson, *The Medieval Armenian Adaptation of the Georgian Chronicles*; *The Original Georgian Texts and The Armenian Adaptation*, Clarendon Press Oxford, London 1996, p. 323.

[6] ایڈورڈ گبن، انحطاط و زوال سلطنتِ روما، (ترجمہ: ڈاکٹر مظفر حسن)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول 2010، ج 4، ص 206۔

سلطنتِ سلاجقہ روم کا قیام:

11ویں صدی کے آخری چوتھائی سالوں میں خاندانِ سلاجقہ کا ایک فرد سلیمان شاہ اول بن قتلمش بن ارسلان یبغو بن سلجوق بیگ نے سلاجقہ عظام کے فرمانروا ملک شاہ اول بن الپ ارسلان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ابتداء میں تو ملک شاہ نے طاقت کے ذریعے اس بغاوت کو ختم کرنے کا سوچا لیکن مشہور سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی اور عباسی خلفیہ کی مداخلت اور مشورہ پر آپسی لڑائی کی بجائے خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمن یونانیوں کے خلاف لڑائی کرنے کو ترجیح دی گئی۔ یوں باختلافِ روایات 1073ء، 1075ء یا 1077ء[7] میں سلیمان شاہ نے اپنے ماتحت کثیر تعداد میں ترکمانوں کو لیکر خطہ مرمرہ کے صوبہ برصہ کے زرخیز اور تاریخی شہر ازنیق میں آکر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس سلطنت کو تاریخ میں سلاجقہ اناطولیہ، ترکیہ دولتِ سلاجقہ یا سلاجقہ روم کہا جاتا ہے۔ بعض ترک مئورخین کے مطابق سلاجقہ روم سلطنت کا عرصہ حکومت 1077 تا 1308ء ہے۔ 231 برس مشتمل اس حکومت میں کل 19 سلاطین تخت نشین ہوئے تھے جبکہ بعض سلاطین دو مرتبہ بھی تخت نشین ہوئے۔ اس سلطنت کے مشہور حکمرانوں میں سلیمان بن قتلمش، قلچ ارسلان بن سلیمان بن قتلمش اور علاء الدین کیقباد اول وغیرہ شامل ہیں۔ ان سلاطین کے عہد میں صلیبی جنگیں، شعیہ سنی چپقلش، مسلم حکومتوں میں آپسی لڑائیاں جیسے کئی امور قابلِ ذکر ہیں لیکن اپنے اس مقالہ میں ہم سلاطینِ سلاجقہ روم کے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ تعلقات کو موضوع بحث بنائیں گے۔

سلاجقہ روم کی آمد کے وقت اناطولیہ کی حالتِ زار:

سلاجقہ روم کے حوالہ سے ایک مشکل ترین کام اس سلطنت کی سرحدوں کا تعین کرنا ہے۔ بالخصوص جب اس سلطنت کی سرحدیں مسلسل تبدیل ہوتیں رہی ہوں کیونکہ خانہ بدوش ترک قبیلوں کو مکمل کسی نظام میں لانا ممکن نہ تھا۔ یوں وہ بار بار اپنی جگہوں کو تبدیل کرتے رہتے تھے اور نئی نئی جگہوں پر جنگیں کرتے ہوئے ان پر قابض ہو جاتے تھے۔ پھر بھی اس سلطنت کی سرحدوں کا ایک دھندلا سا تصویری خاکہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ سلاجقہ روم، سنوپ اور آلانیا کو فتح کرکے بحیرہ اسود اور بحیرہ روم کے اہم اور مرکزی شہروں پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی شمالی و جنوبی سمتوں سے

---

[7] عمومی طور پر تو ترک مورخین سلطنت کے قیام کا سال 1075ء ہی بتاتے ہیں۔ البتہ اس میں کئی دوسری آراء بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو:
İbrahim Kafesoğlu, "Anadolu Selçuklu Devleti Hangi Tarihte Kuruldu", *Tarih Enstitüsü Dergisi*, 10/11 (1979-80), p. 1-28.

اناطولیہ پر قابض ہوگئے تھے۔ مشرقی سمت میں شام اور عراق کی جانب مسلسل پیش قدمی کی وجہ سے سرحدیں تبدیل ہوتیں رہیں۔ اس لیے مشرقی سمت کی جانب سے کسی خاص سرحد کا تعین ممکن نہیں ہے۔ مغربی سمت میں دینیزلی اور مرمرہ خطہ میں سقاریہ کو بھی اتراک نے بھی اپنی سلطنت کی سرحدوں کے اندر لے لیا تھا[8]۔(نقشہ اول ملاحظہ ہو)۔

11ویں صدی عیسوی میں جب سلاجقہ یہاں پر آئے تو اناطولیہ کا زیادہ تر علاقہ ویران، خشک سالی کی وجہ سے زمین بنجر ہو چکی تھی جس کے نتیجہ میں زراعت کو شدید نقصان پہنچ چکا تھا۔ سلاجقہ اور عثمانیوں کے حوالہ سے تحقیق کرنے والے برطانوی مورخ پیکوک بھی سلاجقہ کی اناطولیہ آمد کے وقت اس علاقہ کی حالت ایسے ہی بتاتا ہے۔ یہ محقق، اس عہد کی تحریری کتب، آثار قدیمہ کے ماہرین کی تحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتا ہے۔ وہ، اس بات کو قبول نہیں کرتا ہے کہ اناطولیہ کو تباہ کرنے والے اتراک تھے[9]۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ جب سلاجقہ یہاں پر آئے تو اناطولیہ کے بلاد بالکل طوفان نوح کے بعد والی صورت کی مثل ویران اور بنجر تھے۔ لیکن سلاجقہ کے ساتھ آنے والے ٹڈی دل لشکروں کی ماند ترکمانوں کی وجہ سے اناطولیہ تھوڑے ہی عرصہ میں بڑے پیمانہ پر زراعت اور گلہ بانی کی وجہ زرخیز خطہ بن گیا تھا۔

ترک مئورخین کا خیال ہے کہ 10ویں اور 11ویں میں اناطولیہ جیسے خوبصورت، وسیع اور زرخیز خطہ کا ویرانے اور بنجر زمین میں تبدیل ہونے کے اسباب یہاں کے باسیوں کی مسلسل جنگیں، بازنطینی حکومت کی خراب انتظامیہ و کمزور حکومتی مشینری اور خشک موسم تھے۔ چنانچہ ایک ترک مئورخ خواجہ سلیم نے سلاجقہ کی آمد سے پہلے اور بعد کے اناطولیہ کی صورت حال کا بڑی دلچسپ انداز سے تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ ان کے الفاظ میں "مسلسل جنگوں، بغاوتوں اور بازنطینی سلطنت کی بری انتظامیہ کی وجہ سے اناطولیہ کی مقامی آبادی بہت زیادہ گھٹ چکی تھی۔ کئی علاقہ جات بالکل خالی اور ویرانہ کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ پھر جب اتراک نے اناطولیہ پر حملے اور فتوحات شروع کیں تو اپنی زندگیوں کو خطرات میں محسوس کرتے ہوئے مقامی آبادی کی ایک بڑھی تعداد خوف کی وجہ سے بلقان، پہاڑوں اور بڑے شہروں کی طرف کوچ کر گئی تھی۔ دوسری طرف بازنطینی حکومت نے آٹھویں صدی سے ہی بلقان میں اقامت اختیار

---

[8] Nazlı Altunsoy, *Türkiye Selçuklu Döneminde Gayrimüslimler*, Türk Tarih Kurumu, Ankara 2021, p. 42-43.

[9] A.C.S. Peacock, *Selçuklu Devleti'nin Kuruluşu Yeni Bir Yorum, (*T.T; Zeynep Rona), Türkiye İş Bankası Kültür Yayınları, 2017, p. 181-189.

کرنے والے مختلف اتراک قبیلوں کو اناطولیہ کی مختلف جگہوں پر آباد کرنا شروع کر دیا تھا۔ شہر فتح ہونے کے بعد لوگوں کی زندگیوں کو بخش دیا جاتا تھا، کسی کا بھی مال چھنیا نہیں جاتا تھا، شہر کے باسیوں کو مکمل اجازت دی جاتی تھی کہ وہ چاہیں تو اسی شہر میں اقامت جاری رکھیں اگر وہ کسی اور جگہ جانا چاہتے تو اس کی بھی مکمل اجازت ہوتی تھی، ان کی ثقافت اور دین میں بالکل مداخلت نہیں کی جاتی تھی۔ ان کے مال و جان کی یوں حفاظت کی جاتی تھی گویا وہ سلاجقہ کی ذمہ داری ہو[10]۔ خواجہ کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سلاجقہ سے پہلے بھی اناطولیہ میں بلغار، خزر، پچنق، اوز، کومان جیسے ترک قبائل بلقان سمیت بازنطینی حکومت کے کئی دیگر علاقوں میں آکر بس چکے تھے۔ لیکن یہ اتراک جب مشرقی روما سلطنت میں آکر مقیم ہوئے تو انہوں نے مسیحیت کو اختیار کر لیا تھا۔ کیونکہ اس وقت کی روما سلطنت میں رہنے اور زندگی بسر کرنے کے مسیح ہونا لازم تھا[11]۔ البتہ جب سلجوقی ترک، اناطولیہ پہنچے تو انہوں نے اپنے ہم نسل ترکوں کو بھی اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے بہت سے ترک، مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے اور اپنے نام بھی عربوں جیسے رکھ لیے تھے[12]۔

سلاجقہ کی اناطولیہ آمد کے وقت یہاں کی غیر مسلم آبادی کی حالتِ زار:

11 ویں صدی میں سلاجقہ کے اناطولیہ آمد کے وقت یہاں کی آبادی کی حتمی تعداد کا درست اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہے۔ لیکن عمومی طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ 10 ویں سے 13 ویں صدی کے درمیانی عرصہ میں اناطولیہ کی کل آبادی 5 سے 8 ملین کے درمیان تھی۔ سلاجقہ کی سلطنت کی ان تین صدیوں میں مسلمانوں کی تعداد کبھی بھی غیر مسلموں سے زیادہ نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ترکوں، عربوں اور فارسی مسلمانوں کو ملا کر بھی یہاں کی تعداد غیر مسلموں کی تعداد کے مقابلہ میں 10 فیصد سے زائد نہ تھی[13]۔ فرانسیسی مستشرق کلود کائن نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ترکوں کی شرح آبادی جتنی بھی تھی یہ حقیقت ہے کہ غیر مسلم آبادی بہت کثرت سے تھی اور تقریباً تقریباً ہر جگہ پر ترکوں سے زیادہ تھی۔۔۔ غیر مسلم آبادی مسلمانوں سے 10

---

[10] Salim Koca, "Diyâr-ı Rûm"un (Roma Ülkesi=Anadolu) "Türkiye" Hâline Gelmesinde Türk Kültürünün Rolü, *Türkiyat Araştırmaları Dergisi*, no: 23, pp. 26, 31.
[11] Altunsoy, *Türkiye Selçuklu Döneminde Gayrimüslimler*, p. 38.
[12] İbn Kalânisî, *Şam Tarihine Zeyl*, (T.T.; Onur Özatağ), Türkiye İş Bankası Kültür Yayınları, İstanbul 2015, p. 141.
[13] Altunsoy, *Türkiye Selçuklu Döneminde Gayrimüslimler*, p. 44.

فیصد زیادہ تھی[14]۔" یہ تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہے کہ سلاجقہ نے شرح آبادی میں اتنے کم ہونے کے باوجود محض 2 صدیوں میں سارے اناطولیہ کو دیارِ کفر سے دارالسلام میں تبدیل کر دیا تھا۔

جب سلجوقوں نے ان علاقوں کو فتح کیا اس وقت یہ غیر مسلم آبادی شہروں اور قصبوں میں مقیم تھی جو کہ عمومی طور پر مسیح تھے۔ یہ آبادی آرتھوڈوکس رومن، جارجیائی آرمینی، سریانی، مونوفیزیت یعقوبی، کیتھولک فرینک اور یہودیوں پر مشتمل تھی۔ تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ رومن تھے جو کہ عمومی طور پر شمالی اناطولیہ کے ساحلی شہروں جیسے طرابزون، پہاڑی شہروں جیسے قسطمونی، وسطی اناطولیہ جیسے انقرہ، زرعی علاقہ جات جیسے انطالیہ، کپاڈوکیا، ایجیئن اور مرمرہ کے خطہ میں مقیم تھے۔ آرمینی مسیحوں کو ترکوں کے ان علاقوں میں حاکم ہونے سے کہیں جانے کی ضرورت نہ پڑی اور وہ جہاں بازنطینی عہد میں رہ رہے تھے انہی شہروں میں ہی مقیم رہے۔ مثال کے طور پر وسطی اناطولیہ کے شہروں میں سے قونیہ وغیرہ میں ان کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔

البتہ مشرقی اناطولیہ کے شہروں میں سے وان، چوکوروا جیسے شہروں میں آرمینی آبادی اتنی زیادہ تعداد میں موجود تھی کہ ان شہروں کو آرمینی صوبہ جات کہا جاتا تھا۔ تجارت، فوجی میں ملازمت سمیت مالی فوائد کے لیے سلاجقہ کے بڑے شہروں میں کیتھولک فرینک مسیح بھی رہتے تھے۔ مشرقی صوبہ جات میں یعقوبی اور سریانی مسیح رہتے تھے۔ جبکہ یہودی تعداد میں انتہائی کم ہونے کے باوجود سلطنت کے سارے بڑے شہروں میں بالخصوص تجارتی گزرگاہوں پر مقیم تھے۔

سلجوقوں کے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ تعلقات پر بات کرتے ہوئے یہ امر قابل توجہ ہے کہ اناطولیہ میں مقیم مختلف مسیح فرقے ایک دوسرے کو کافر اور لعنتی کہہ رہے تھے اور ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ آرتھوڈوکس فرقہ سے تعلق رکھنے والے رومن مسیحیوں کے کیتھولک مسیحوں کے ساتھ تعلقات کو دیکھتے ہوئے ایک فرینک مسیح نے کہا تھا کہ "مسیحیوں کے ساتھ کوئی احسان والا معاملہ نہ تھا۔ وہاں محض برائی، سختی اور ہٹ دھرمی تھی۔ خاص طور پر پادریوں اور بشپوں کی طرف سے"[15]۔ اگرچہ اتراک ان سب مسیحوں کے مشترکہ دشمن تھے لیکن مختلف فرقوں میں بٹے ان مسیحوں کی آپسی نفرت اور دشمنی اس قدر زیادہ تھی کہ وہ اس حقیقت کو دیکھنے میں مانع ہو گئی۔ یہی وجہ ہے

---

[14] Claude Cahen, *Osmanlılardan Önce Anadolu'da Türkler*, (T.T; Erol Üyepazarcı), Tarih Vakfı Yurt Yayınları, İstanbul 2000, p. 166.

[15] Wilhelm Von Rubruk, *Moğolların Büyük Hanına Seyahat*, (T.T; Ergin Ayan), Ayışığı Kitapları, İstanbul 2021, p. 54,96.

کہ جب سلجوقی سلطان الپ ارسلان نے آرمینا کی قدیم سلطنت کا نام ونشان مٹا دیا تو یہ رومی کیتھولک بہت خوش ہوئے کہ نسطوری بالآخر اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں[16]۔ دوسری جانب بھی اسی طرح کی نفرت موجود تھی کیونکہ آرمینی اور سریانی مسیح یہ سمجھتے تھے کہ بازنطینی سلطنت بجائے میسحوں کی مدد کرنے کے ان پر ظلم کر رہی ہے اور ظلم کی سزا کے طور پر خدا نے ترکوں کو بطور عذاب ان پر مسلط کر دیا ہے۔

اس عہد کا آرمینی مصنف ماتئوس اورھایہ تسی اپنی خود نوشت تاریخ میں اس بات کو درج کرتے ہوئے رومنوں پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "ڈرپوک اور عورت کیطرح کمزور دل والے رومن" جو کہ نہ تو خود مسیحوں کی مدد کرتے ہیں بلکہ میسحوں کی مدد کرنے کے خواہش مند فرینکوں کو بھی ایسا کرنے میں روکاوٹ ہیں۔ اس کے الفاظ میں "یونانی سلطنت نے میسحوں کی نجات کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اس کے برعکس ان کے شہروں اور قصبوں کو ہڑپ کر لیا ہے۔ بہادر قوم فرینک مسیحوں کو نجات دلانے کے لیے تیسری مرتبہ جنگ کے لیے نکلی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ منافق یونانی شہنشاہ کی غداری اور دھوکہ بازی کی وجہ سے ترکوں کے ہاتھوں مغلوب ہو کر تباہ ہو گئی۔ یوں ترکوں نے استبول کی سرحدوں تک ساری جگہ تسخیر کر لی[17]۔ جب سلاجقہ نے اناطولیہ میں حکومت قائم کی تو مقامی مسیح تو ایک دوسرے کو سیدھے راستہ سے بھٹکے ہوئے گمراہ حتیٰ کہ مسیحت سے بھی خارج کر رہے تھے۔ جبکہ مسلمان سلاجقہ کی نظر میں یہ سب فرقے اہل کتاب میسح تھے۔ اسی وجہ سے سلاجقہ نے کسی بھی خاص فرقے یا شخص کو محض اس کے منسوب فرقہ کی وجہ سے کوئی فرق نہیں کیا بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکا سب مسیح رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کے طریقہ سے معاملات چلائے۔

سلاجقہ کی غیر مسلم اناطولیہ کو فتح کرنے کے وقت مذہبی رجحانات:

اسلام کے حکم مطابق جب بھی کوئی مسلم فوج غیر مسلموں کے علاقہ کو فتح کرنے لیے حملہ آور ہوتیں تھیں تو سب سے پہلے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کے مال و جان مسلمانوں کے مال و جان کی مثل ہو کر محفوظ رہتے ہیں اور وہ بھی حملہ آوروں کے مسلمان بھائی بن جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ غیر مسلم اس

16 گبن، انحطاط وزوال سلطنتِ روما، ج4، ص203۔

17 Urfalı Mateos, *Vekayinâmesi ve Papaz Grigor-un Zeyli*, (T.T.; Hrant D. Andreasyan), Türk Tarih kurumu basımevi, Ankara 2000, p. 326.

دعوتِ اسلام کو رد کر دیں لیکن صلح کے ساتھ مسلمانوں کی حاکمیت قبول کر لیں تو ان پر جزیہ نافذ ہو جاتا ہے اور مسلمان ان کے مال، جان اور عزت کے محافظ ہوتے ہیں۔ انہیں نہ تو اسلام قبول کرنے پر زور دیا جاتا ہے بلکہ انہیں ہر طرح کی دینی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اگر غیر مسلم ان دو میں سے کوئی صورت قبول نہ کریں تو تیسری صورت میں ان سے جنگ کی جاتی ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا جب رومن افواج سے آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کے لیے کہتے ہوئے کہا تھا کہ "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا تھا کہ جب تمہارا مشرکین کے ساتھ آمنا سامنا ہو تو انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور جو وہ خدا کی طرف سے لیکر آئے ہیں اس کی تصدیق کرنے کی دعوت دو۔ تو جو اس پر ایمان لے آئے اور اسکی تصدیق کرے تو وہ تمہارے دین شریک بھائی ہیں۔ ان کے حقوق و فرائض وہی ہیں جو تمہارے ہیں۔ جو اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرے تو اسے جزید ادا کرنے کا کہو۔ یہاں تک کہ وہ عاجز ہو کر جزیہ ادا کرنا قبول کر لیں۔ لیکن اگر وہ ایمان لانے اور جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں تو ان سے جنگ کرو[18]۔

سلجوقی ترکوں نے جب اناطولیہ میں فتوحات شروع کیں تو انہوں نے بھی اسلام کے اسی قانون کو مد نظر رکھا۔ جس نے بھی ان کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے جزیہ ادا کرنا منظور کیا تو سلاجقہ نے سوائے جزیہ کے ہر چیز ان کے پاس رہنے دی اور انہیں مکمل مذہبی آزادی دی۔ البتہ فتح کی علامت کے طور پر اور اسلام کی حاکمیت ظاہر کرنے کے لیے شہر کے سب سے بڑے کلیسا کو مسجد میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ اس کے سوا کسی بھی کلیسا کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ فتح ہونے والے نئے شہروں میں کماندار، گورنر، قاضی، امام، خطیب، مؤذن یا پھر مُعَرِّفْ (مسجد یا خانقاہوں میں خیرات کرنے والوں کے ناموں کو بتانے والا اور ان کے لیے مسلسل دعا میں مشغول رہنے والا) جیسے فوجی، ادارہ جاتی اور دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے لیے مختلف لوگوں کو متعین کیا جاتا تھا[19]۔ ایسا کرنے سے سلاجقہ سلاطین کا بنیادی مقصد مفتوحہ جگہوں کو برباد کرنے کی بجائے زیادہ بہتر انداز سے آباد کرنا ہوتا تھا۔ اس شہر کی مقامی آبادی کی زندگیوں میں سہولیات اور بہتر زندگی کے لیے نئی عمارات، کاروان سرائے اور پانی کے چشمہ جات تعمیر کیے

---

[18] الازدی، محمد بن عبد اللہ، کتاب فتوح الشام، ببتست مشن، کلکتہ 1856، ص 108-9۔

[19] Koca, "Diyâr-ı Rûm"un (Roma Ülkesi=Anadolu) "Türkiye" Hâline Gelmesinde Türk Kültürünün Rolü, p. 26.

جاتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض جگہوں کو فتح کرنے کے بعد وہاں نئے شہر بسائے گئے اور خانہ بدوش ترکمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو بھی وہاں لا کر آباد کرنے اور ان کی حفاظت کا مکمل بندوبست کیا گیا تھا[20]۔

سلاجقہ کی ماتحت مسیح رعایا، ترکوں کی حاکمیت تسلیم کرنے اور جزیہ کی ادائیگی کے بعد اپنے دین ورواج کے مطابق مکمل طور پر آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ جزیہ کی ادائیگی کے بعد انہیں فوجی خدمات سے بھی رخصت مل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ بہت سے ترک تو آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ سلجوقی و عثمانی عہد میں اتراک کے تجارت، زراعت، طب اور ان جیسے دیگر امور میں ترقی نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ کیونکہ اتراک تو ہمیشہ جنگوں اور سفر میں رہتے تھے جبکہ مسیح و یہودی غیر مسلم معمولی جزیہ کی رقم ادا کر دینے کے بعد تجارت، کاریگری اور طب جیسے کاموں میں مہارت حاصل کر لیتے تھے۔

ان حکومتوں کے اس جزیہ کی رقم کے بدلہ میں اپنی غیر مسلم رعایا کو دی گئی سہولیات اور مواقع اس قدر زیادہ تھے کہ یونانی سلطنت کی بہت سی جگہوں سے مسیح خود اپنی مرضی سے آکر سلاجقہ کی سلطنت میں مقیم ہو گئے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ بہت سی اشیاء کی تجارت جو مسلمانوں کے لیے حرام تھی وہ بھی یہ غیر مسلم بغیر کسی رقابت اور روکاوٹ کے مکمل آزادی کے ساتھ کرتے تھے۔ جس سے ان کی مالی حالت مستحکم رہتی تھی اور یہ کسی کے دستِ نگر نہیں ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر قونیہ شہر کے مستقل طور پر سلاجقہ سلطنت کے دارالحکومت بننے کے بعد (1097ء) فرینک اور آرمینی مسیحوں کے ساتھ ساتھ یہودی بھی آکر اس شہر میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ غیر مسلم لوگ اس مسلم دارالحکومت میں شراب کی خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ میخانے وغیرہ بھی مکمل آزادی کے ساتھ چلاتے تھے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کے سلسلہ سے منسوب سلسلہ مولویہ کی کتب ہمیں اس حوالہ سے بہت سے واقعات بتاتی ہیں[21]۔

اس کی ایک اور مثال یاقوت الحموی (م۔1229ء) کی فراہم کردہ معلومات ہیں کہ جن کے مطابق ارض روم اور ارزنجان شہر مسلمان سلطان کے ماتحت ہیں جو وہاں پر عدل و انصاف سے حکومت کرتا ہے۔ ان شہروں میں مسلمان

---

[20] Cahen, *Osmanlılardan önce Anadolu'da Türkler*, p. 106.

[21] Ahmed Eflâkî, *Ariflerin Menkıbeleri*, (T.T; Tahsin Yazıcı), Kabalcı Yayınevi, İstanbul 2006, pp. 170, 385, 389,450,463.

بھی رہتے ہیں البتہ زیادہ تر آبادی آرمینی نفوس پر مشتمل ہے۔ ان آرمینیوں میں بے حیائی، کھلے عام شراب نوشی اور ناجائز کام عام ہیں اور انہیں، ان کے ارتکاب سے کوئی منع کرنے والا نہیں[22]۔ سلاجقہ کی غیر مسلم رعایا کو دی گئی مذہبی آزادی اور رواداری اس قدر زیادہ تھی کہ اس عہد کے چند مسلم اہل علم حضرات نے اس پر تنقید بھی کی۔ مثال کے طور پر ابن عربی نے سلطان عزالدین کیکاوس اول (عہد حکومت 1211-1220ء) کو ایک خط لکھ کر اس پر تنقید کی اور غیر مسلم رعایا کو ذمیوں کے مرتبہ پر رکھنے کا مشورہ دیا[23]۔

سلاجقہ اپنے غیر مسلم رعایا کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے خشک سالی کے دنوں میں جزیہ کی رقم معاف کر دیتے تھے۔ کبھی کبھار زراعت کے شعبہ کو ترقی دینے کے لیے بیج مفت ان میں تقسیم کر دیے جاتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ جگہ پر زراعت کی کاشت ہو سکے۔ مثال کے طور پر 1090ء کے سال آرمینی پاتیرک باسل کی درخواست پر سلطان ملک شاہ (1072-1092ء) نے مذہبی رہنمائوں کو جزیہ کی رقم ادا نہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اسی طرح سلطان مسعود اول (1116-1155ء) نے بھی اپنے عہد میں مذہبی رہنمائوں سے جزیہ کی رقم معاف کر دی تھی[24]۔ سلاجقہ سلاطین کی یہی اصلاحات اور رعایا پروری ہی تھی کہ 11ویں صدی میں ویران اور تباہ حال اناطولیہ کا خطہ محض دو صدیوں کے اندر بڑے بڑے شہروں پر مشتمل ایک عظیم سلطنت بن گیا۔ 13ویں صدی کے ایک فرانیسی سفیر سیمون سنت کوئنتین نے سلاجقہ کی مملکت میں شہروں کی تعداد 100 بتائی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ترکیہ سلطنت بہت مشہور اور بہت امیر ہے۔

اس سلطنت میں قلعوں، دیہاتوں اور پہاڑی چشموں (کیسالیا) کے علاوہ 100 شہر تھے[25]۔ عرب جغرافیہ دان ابن سعید مغربی نے ترکیہ سلاجقہ کے ماتحت 24 ایسے بڑے شہروں کا ذکر کیا ہے جن میں گورنر، جامع مسجد اور حمام موجود تھے[26]۔ ویرانہ اور غیر آباد ملک میں تبدیل ہوئے اناطولیہ کو دوبارہ سے آباد کرنے لیے سلاجقہ سلاطین کے ساتھ

---

[22] الحموی، یاقوت بن عبد اللہ، معجم البلدان، دار صادر، بیروت 1995ء، طبعہ ثانی، ج1، ص150-151

[23] Mahmud Erol Kılıç "İbnü'l-Arabî, Muhyiddin", *DİA*, V.20, Ankara 1999, p. 520-522.

[24] Mustafa Demir- Tufan Turan, "Türkiye Selçuklu Ve Osmanlı Tecrübesinde Gayr-i Müslim Kimliği", *Akademik İncelemeler Dergisi*, V.2, (Sakarya 2007), p. 194.

[25] Simon de Saint Quentin, *Bir Keşişin Anılarında Tatarlar ve Anadolu 1245-1248*, (T.T.; Erendiz Özbayoğlu), Doğu Akdeniz Kültür Tarihi Araştırmaları Vakfı, Alanya 2006, p. 49.

[26] Koca, "Diyâr-ı Rûm"un …, p. 28.

ساتھ وزراء نے بھی بہت کوششیں کیں تھیں۔ سلاطین کی طرح وزراء بھی مسلم رعایا کیطرح غیر مسلم رعایا کی زندگیوں کو بہتر بنانے کی لیے مختلف اوقات میں مختلف طرح کے اقدامات کرتے رہتے تھے۔ عمومی طور پر وزراء اپنے سلاطین کی تقلید کرتے ہوئے کارون سرائے، مہمان سرائے، چشمہ جات جیسے خیراتی کام کرواتے تھے۔ مثال کے طور پر مشہور سلجوقی وزیر صاحب عطاء نے اپنے وقف کی جگہ کو بعد میں آرمینیوں کے لیے مہمان سرائے کے طور پر تبدیل کر دیا تھا[27]۔

اگرچہ سلاجقہ کی سلطنت کے شہروں میں غیر مسلم بھی مسلمانوں کی طرح اپنے دین ورسم ورواج کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن انتظامی اور حفاظتی نقطہ نگاہ سے ان کے محلے مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہوتے تھے۔ دراصل جس زمانہ میں اناطولیہ، بازنطینی حکومت کی ماتحتی سے نکل کر ترکوں کے ماتحت آرہا تھا اس وقت یہ طریقہ کار ایک رسم کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ ویسے بھی جب سلاجقہ نے اپنی حکومت قائم کی تھی اس وقت بھی آرمینی اور روم نسل کے لوگ الگ الگ محلوں میں رہتے تھے[28]۔ یوں یہ طریقہ کار بازنطینی سلطنت سے وراثت میں سلاجقہ کو ملا تھا۔ جس کا مقصد رعایا میں تقسیم نہیں بلکہ انتظامی نقطہ نظر اور کسی بھی طرح کے فساد پھوٹنے سے روکنا تھا۔ سلاجقہ نے بھی قدیم سے چلتی آرہی اس انتظامی رسم میں زیادہ تبدیلی کیے بغیر اس کو جاری رکھا کیونکہ یہی انتظامی لحاظ سے درست تھا۔ اگرچہ اسلام میں ایسا کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا لیکن اس کو ایک ادارہ جات حکم سمجھ کر جاری رہنے دیا گیا۔ اس کا بنیادی سبب حاکم طبقہ مسلمان اور محکوم غیر مسلم رعایا کے درمیان عبادت کرنے کے دوران کسی بھی طرح کے دنگے فساد کا قلع کما کرنا تھا۔ البتہ سلاجقہ کے بعض بڑے شہروں میں مسلمان اور غیر مسلم تجارت وغیرہ کی غرض سے ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔

سلاجقہ کی مذہبی رہنماؤں اور عبادت گاہوں بارے پالیسی:

سلاجقہ کی اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری اور اچھے تعلقات کی ایک اور بہترین مثال سلجوقی سلطان قلچ ارسلان ثانی کی 1181ء میں ملاتیہ شہر میں آنے کے وقت مقامی غیر مسلم عوام اور سریانی پاتیرک پر کیے گئے احسانات ہیں۔ میکائیل سریانی اپنے خود نوشت واقعات میں سلطان قلچ ارسلان ثانی کے خود پر کیے گئے احسانات کو تفصیل سے بیان

[27] Altunsoy, *Türkiye Selçuklu Döneminde Gayrimüslimler*, p. 60.
[28] Demir- Turan, "*Türkiye Selçuklu Ve Osmanlı Tecrübesinde Gayr-i Müslim Kimliği"*, p. 194

کرتے ہوئے بادشاہ کی خوب تعریف و توصیف کرتا ہے۔ میکائیل کے مطابق سلطان نے اسے پہلے ایک دوستانہ خط، ایک عصااور بیس سونے کے دینار روانہ کیے۔ اگلے برس جب سلطان خود ملاتیہ آئے تو اسے اپنے پاس بلا کر پہلے تو اس کا سرکاری تقریب میں استقبال کیا۔ سلطان کا حکم تھا کہ یہ تقریب مسیح قوانین کے مطابق ہونی چاہیے جس میں صلیب اور انجیل بھی ہو۔ سلطان نے بذاتہ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیااور اسے گھوڑے سے اترنے کی بھی مہلت نہ دی اور اسے گلے لگالیا۔ میکائیل کی سلطان کو سنائی گئی حکایات اور نصیحتیں اس قدر اثر انداز ہوئیں کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔ پھر مسیح اور مسلم عوام سب نے ملک کر سلطان کے لیے دعا کی۔

سلطان قلچ ارسلان نے اس برس مسیح خانقاہوں سے لیا جانے والا سارا ٹیکس معاف کر دیا تھا۔ یہ سریانی مصنف اسی طرح کئی مرتبہ سلطان کی جانب سے تحائف، محبت بھرے دوستانہ خطوط بھیجنے کا بھی اپنی خود نوشت میں بڑی خوشی اور تفصیل سے ذکر کرتا ہے[29]۔ شاید جو سریانی میکائیل نے خود نوشت میں سلجوقی سلطان کے متعلق لکھا ہے اس میں قدرے مبالغہ آرائی بھی کی ہو لیکن اس کے باوجود سلطان کا کسی دوسرے مذہب کے دینی پیشوا کے ساتھ زمانہ وسطیٰ میں ایسا دوستانہ تعلق اصل میں سلجوقی سلطنت کی غیر مسلم رعایا کے متعلق سوچ کی عکاسی ضرور کرتی ہے۔ آہستہ آہستہ سلجوقی سلاطین کی یہ سوچ عوام میں بھی رچ بس گئی تھی کیونکہ عوام بھی تو اپنے سلاطین کے طرزِ حیات کی ہی پیروی کر رہی ہوتی ہیں۔ سلاجقہ کی غیر مسلم رعایا کے متعلق یہ سوچ اور پالیسی عثمانی عہد میں بھی ہمیں خوب نظر آتی ہے۔

مثال کے طور پر 1613ء میں ملاتیہ شہر کا دورہ کرنے والا ایک پولش سیاح سیمیؤن نے یہاں کے ترکوں کے تعلقات اور رویہ جات جو آرمینوں کے ساتھ تھے کی خوب تعریف کی ہے۔ حتیٰ کہ یہ سیاح تو یہاں تک لکھتا ہے کہ ملاتیہ کے اتراک مقامی آرمینوں کو کافر یا تحقیر کے لیے کوئی لفظ استعمال نہیں کرتے بلکہ انہیں "غلامانِ مسیح" کہتے ہیں۔ اس پولش سیاح سیمیؤن کے الفاظ میں " یہاں کے اتراک بہت عمدہ اخلاق کے مالک اور انسان سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ آرمینیوں پر بہت اعتبار کرتے ہیں۔ انہیں گاور (کافر) نہیں بلکہ عیسوی یا پھر عیسیٰؑ کے غلام کہتے ہیں[30]"۔

---

[29] Süryani Patrik Mihail, Vakâyinâmesi 1042-1195, (T.T. Hrand D. Andreasyan), Unpublished TTK Copy, 1944, p. 263-64-68.

[30] Polonyalı Simeon, *Seyahatnamesi 1608-1619*, (T.T.; Hrand D. Andreasyan), Baha Matbaasi, Istanbul 1964, p. 89.

اگرچہ سلاجقہ نے محض دو صدیوں کے اندر ہی مسیح اناطولیہ کو اتراک کا ابدی وطن اور دیار اسلام میں تبدیل کر کے تاریخ کا ایک نادر واقعہ بنا دیا تھا۔ لیکن اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ تبدیلی تدریجاً آئی اور اس میں دوسرے عناصر کے ساتھ ساتھ سلاجقہ کی غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری اور عدل و انصاف کا برتائو بھی تھا۔ سلاجقہ عظام کے مشہور وزیر نظام الملک طوسی (1092ء) نے اپنی بے مثل کتاب "سیاست نامہ" کے آغاز میں ہی سلاطین کو حکومتوں کے طویل عرصہ تک قائم رکھنے کا سب سے اہم گر بتاتے ہوئے لکھا تھا کہ "سلطنتیں کفر کے ساتھ چل سکتیں ہیں لیکن ظلم اور ناانصافی کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتیں"[31]۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ نصیحت جیسے سلاجقہ عظام کے سلاطین کے سامنے رہتی تھی بالکل ویسے ہی ترکیہ سلاجقہ نے بھی اس کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ اسی وجہ سے ترکیہ سلاجقہ سلطنت کے اکثر سلاطین اپنے نام کے ساتھ "السلطان العادل" جیسے القابات کا استعمال کرتے تھے۔ محض کسی مخصوص دین یا فرقہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ظلم کرنے کی اجازت ہر گز نہ دی جاتی تھی اور نہ ہی کسی کے دین کی وجہ سے اس پر ظلم کیا جا سکتا تھا کیونکہ سلاطین سلاجقہ کی عدالت و انصاف سب کے لیے یکساں ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر سلطنت کے سب سے مہشور اور طاقتور ترین سلطان علاء الدین کیقباد اول (عہد حکومت 1220-1237ء) جب بھی انطالیہ شہر آتے تو مکمل ایک ماہ تک عدالتی معاملات خود دیکھتے تھے۔

اس کے علاوہ بھی جب کسی حکومتی عہدہ دار کے خلاف شکایت آتی تو اس کا معاملہ بھی بذاتہ دیکھتے تھے۔ تاکہ کوئی بھی ناانصافی کرنے والا شخص سرکاری عہدہ کی وجہ سے اور اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے نظام عدل پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ یہ نظام عدل بغیر فرق ملت و نسل، مذہب و فرقہ سب کے لیے یکساں ہوتا تھا۔ سلجوقی سلطنت کے درباری مورخ ابن بی بی (و۔1285ء) نے کئی ایسے واقعات درج کیے ہیں جن میں دعویٰ دار غیر مسلم ہوتے تھے لیکن سلطان نے بغیر ان کے مذہب کے فرق کیے ان کے حق میں فیصلہ دیا اگر وہ اپنے دعوی میں سچے ہوتے تو۔ حتیٰ کئی مرتبہ تو کسی غیر مسلم کا نقصان ہونے پر شاہی خزانہ سے نقصان پورا کرنے کا بھی حکم دیا گیا۔

---

[31] Nizâmülmülk et-Tûsî, *Siyâsetnâme*, (T.T.; Mehmet Taha Ayar) Türkiye İş Bankası Kültür Yayınları, İstanbul 2009, p. 15. امیر تیمور نے بھی اپنی تزک میں اسی معنی کا ایک جملہ ذکر کیا ہے کہ "ملک کفر سے زندہ رہ سکتا ہے، ظلم سے نہیں"
Emir Timur, *Tüzükât-ı Timur*, (T.T.; Kutlukhan Şakirov- Adnan Aslan), İnsan Yayınları, İstanbul 2004, p. 114.

مثال کے طور پر ایک مسیح تاجر نے سلطان کے سامنے آکر اس کا مال زبردستی چھین لیے جانے کی شکایت کی۔ جس پر سلطان نے اس میسحی تاجر کا نقصان شاہی خزانہ سے پورا کرنے کا حکم دیا۔ ابن بی بی یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد سلطان علاء الدین کیقباد اول کے خود کہے گئے چند جملات کا بھی اضافہ کرتا ہے۔ سلطان نے کہا تھا کہ اس کی عدالت وانصاف اس کے ملک میں رہنے والے ہر ایک لیے یکساں ہو گا۔ پھر سلطان نے دربار میں موجود افراد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ "ایک لمحہ کا عدل وانصاف 60 برس کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے[32]"۔ سلجوقی سلطان کا یہ جملہ اور سوچ اس کی نظر میں عدل وانصاف کس قدر اہمیت کی حامل ہے بتانے کے لیے کافی ہے۔

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی تعمیر وتزین کے لیے مالی معاونت:

ترکیہ سلاجقہ کا سب سے دلچسپ بلکہ اس عہد میں شاید کسی بھی دوسری مسلم ریاست میں نہ موجود ہونے والا کام غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی تعمیر وتزین اور آرائش کے لیے اجازت دینا تھا۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ تو ان سلاطین نے خود بھی اس کام میں ان غیر مسلموں کی مدد کی تھی۔ مثال کے طور سلطان سیلمان بن قتلمش نے جب 1085ء میں انطاکیہ فتح کیا تو مسلم حکومتوں کے رواج کے مطابق شہر کے سب سے بڑے قلعہ کو مسجد میں تعمیر کر دیا۔ البتہ شہر کی مسیح آبادی کی عبادت کرنے کے لیے "مریم والدہ اور سَنت جرجیس" نام سے دو نئے کیلسا تعمیر کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی[33]۔

سلاجقہ کی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بہترین سلوک کی ایک اور مثال کہ جس میں سلطان نے نہ صرف کلیسا کی تعمیر نو کی اجازت دی بلکہ اس کی تزئین وغیرہ میں خود بھی مالی معاونت کی تھی۔ سنت خاریتون خانقاہ کی تجدید کے لیے سلطان مسعود کی طرف سے مالی معاونت کرنا خانقاہ کی اندرونی جانب کتبہ سے ملتی ہے۔ اس کتبہ پر لکھی ہوئی تحریر کچھ یوں ہے " ہمارے عظیم سلطان مسعود کیکاوس کے دور میں اسے بحال اور آراستہ کیا گیا تھا[34]۔

سلاجقہ ترکیہ کی غیر مسلم رعایا کے ساتھ تعلقات پر تفصیل سے تحقیق کرنے والی ترک محققہ ڈاکٹر نازلی التونسوئے نے اپنی کتاب میں اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ غیر مسلموں کو نئے معبد تعمیر کرنے یا نہ کرنے کی اجازت

---

[32] Nâsıruddîn Hüseyn b. Muhammed İbni Bibi, *el-Evâmirü'l-'Alâ'iyye fi'l-umûri'l-'Alâ'iyye*, (T.T.; Mürsel Öztürk), T.C. Kültür Bakanlığı Yayınları, Ankara 1996, p. 316-318.

[33] Tamara Talbot Rice, *Anadolu Selçuklu Tarihi*, (T.T.; T.Kaan Taştan), Nebel yayıncılık, Ankara 2015, p. 49.

[34] Frederick William Hasluck, *Sultanlar Döneminde Anadolu'da Hıristiyanlık ve İslam* , (T.T.; Timuçin Binder), Ayrıntı Yayınları, 2012, p. 23-24.

دینے کا اختیار حاکم وقت کو ہے۔ اور یہ اجازت دینا یا نہ دینا ایک عرفی مسئلہ ہے شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ ان کے الفاظ میں "اسلامی قانون کے مطابق نئے معبدوں کی تعمیر کی اجازت نہیں ہے لیکن پرانے معبدوں کی مرمت کی جاسکتی ہے سمجھ لینا ایک غلط فہمی ہے۔ نئے معبدوں کی تعمیر کی اجازت دینے کا اختیار سربراہ مملکت کی صوابدید پر ہے۔ اس کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ صورت حال شریعت پر نہیں بلکہ عرفی قانون پر مبنی تھی۔ دوسری جانب قرآن کی یہ آیت "اگر اللہ انسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذریعے (قیامِ اَمن کی جدوجہد کی صورت میں) ہٹاتا نہ رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں (یعنی تمام ادیان کے مذہبی مراکز اور عبادت گاہیں) مسمار اور ویران کر دی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے[35] واضح طور پر دین کے اس رویے کو ظاہر کرتی ہے جو عام طور پر معبدوں کی حفاظت کا حکم دیتا ہے"[36]۔

سلاجقہ کی رعایا کو دی گئی فکر کی آزادی اور صوفیاء کا کردار:

ترکیہ سلاجقہ کا عہد اس حوالہ سے بھی اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا دور تھا کہ جیسے غیر مسلم رعایا یعنی یہودی، آرتھوڈوکس، کیتھولک، آرمینی، سریانی اور رومن مسیحی فرقوں کو ہر طرح سے مذہبی اور فکری آزادی دی گئی تھی بالکل ایسے ہی مسلمانوں کے بھی مختلف فرقوں، مذاہب، فلاسفر اور صوفیاء کی سوچ رکھنے والوں کو فکری آزادی حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عرب و عجم دیاروں سے بہت سے فلاسفر اور صوفیاء اناطولیہ آکر مقیم ہوگئے تھے۔ سلاجقہ سلاطین کی اپنی غیر مسلم و مسلم رعایا کو دیے گئے حقوق اور آزادی اس قدر زیادہ تھی کہ ان کے بعض مسلمان سیاسی عرب حریف حکمرانوں نے سلاجقہ کو کمزور اعتقاد اور ایمان والے ہونے کا الزام تک لگا دیا تھا۔ مثال کے طور پر فلاسفر شہاب الدین سہروردی پہلی مرتبہ شام اور حلب کے حکمران نورالدین زنگی اور پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کی جانب سے اناطولیہ بھیجے گئے تھے۔

اس عہد کے سلجوقی سلطان قلچ ارسلان نے نہ صرف انہیں عزت و مرتبہ دیا بلکہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے اور شاگرد بنانے کی بھی مکمل اجازت دی تھی۔ اس فلاسفر کو اناطولیہ میں تو مکمل آزادی کے ساتھ اپنی فکر کو پھیلانے کی اجازت

---

[35] سورۃ الحج، 40/22۔ ترجمہ از عرفان القرآن

[36] Altunsoy, *Türkiye Selçuklu Döneminde Gayrimüslimler*, p. 74-75.

دی گئی حتیٰ کہ سلطان کے بچوں تک کو درس دیتا تھا۔ لیکن انہی خیالات کی وجہ سے اسے واپس شام جانے پر 1191ء میں ملحد قرار دیکر پھانسی دے دیدی گئی تھی[37]۔

زمانہ وسطیٰ کے مسلم معاشروں میں صوفیاء کا کردار انتہائی اہم تھا اور ہر مسلمان حکمران یا تو کسی طریقت کے شیخ کا مرید ہوتا تھا یا پھر کسی صوفی سے عقیدت یا کم از کم صوفیاء سے اچھے تعلقات رکھنے کا خواہش مند ضرور ہوتا تھا۔ یہ صوفیاء زمانہ جنگ میں مسلمان فوجیوں کے لیے دعا کرتے تھے یا پھر ان کی مدد وغیرہ کرتے تھے جبکہ زمانہ امن میں مسلمانوں کی اصلاحِ نفس کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کی بھی بھرپور کوششیش کرتے تھے۔ منگولوں کے حملوں بالخصوص 13 ویں صدی میں بہت سے صوفیاء ان حملوں سے بچنے کے لیے اناطولیہ میں آکر پناہ گزین ہوئے اور پھر اس خطہ میں تصوف کی ترویج کے لیے بہت زیادہ کوششیش کیں۔

سلجوقی سلاطین نے ان آنے والے صوفیاء کو بہت سے امتیازات عطا کیے اور خانقاہیں بنا کر آرام و امن کے ساتھ اپنے امور جاری رکھنے کے لیے مدد کی[38]۔ خود سلجوقی سلاطین بھی اپنے عہد کے صوفیاء کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ سلاجقہ سلاطین کی اپنے عہد کے مشہور صوفیاء میں سے مجد الدین اِسحاق، ابن العربی، مولانا جلال الدین رومی، صدرالدین قونوی جیسے صوفیاء کے ساتھ مسلسل خط و کتابت، باقاعدگی کے ساتھ ان کے مجالس اور دروس میں شرکت کے بارے میں معلومات سے اس عہد کے تصوف کی کتب بھری ہوئی ہیں۔

سلاطین کی باقاعدگی سے ان صوفیاء کی مجالس میں جانے اور قریبی تعلقات ہونے بارے، دارالحکومت قونیہ شہر میں اپنی زندگی بسر کرنے والے مشہور صوفی بزرگ مولانا جلال الدین رومیؒ اس کی ایک بہترین مثال ہیں۔ مثال کے طور پر سلطان عزالدین بذاتہ وزراء کے ساتھ ملکر کر مولانا سے ملاقات کے لیے آئے تو مولانا دروازہ بند کر کے اندر چلے گئے۔ جب سلطان نے ملنے کی درخواست کی تو مولانا روم نے "زحمت کی ضرورت نہیں" کہہ کر ملاقات سے انکار کر دیا تھا[39]۔ اسی طرح کسی اور دن مولانا روم کی مجلس میں شریک ہوئے سلطان عزیز الدین کیکاوس نے مولانا سے

---

[37] İsmail Hakkı Uzunçarşılı, "XII. ve XIII. Asırlarda Anadolu'daki Fikir Hareketleri İle İçtimai Müesseselere Bir Bakış", *III. Türk Tarih Kongresi*, (Ankara 15-20 November 1943), p. 289.

[38] Ahmet Yaşar Ocak, *Evliya Menakıbnameleri*, Timaş Yayınları, 5. edition, İstanbul 2016, p. 43.

[39] Ahmed Eflaki, *Ariflerin Menkıbeleri*, (T.T.; Tahsin Yazıcı), Hürriyet Yayınları, İstanbul 1972, I, p. 280.

درخواست کی کہ اسے چند نصیحتیں فرمادیں[40]۔ اسکی مثل بہت سے دیگر واقعات بھی اس عہد کی تصوف کی کتب میں ملتے ہیں۔ یہ واقعات ایک طرف تو سلجوقی سلاطین کی ان صوفیاء کے ساتھ عقیدت کو ظاہر کرتے ہیں ساتھ ہی اس بات کے بھی مظہر ہیں کہ سلاجقہ نے اپنی سوچ وفکر کو پھیلانے کی مکمل آزادی دی رکھی تھی۔

زمانہ وسطیٰ میں صوفیاء کا طریقہ تبلیغ و اپنی فکر و سوچ کی عوام میں ترویج کا طریقہ روایتی علماء سے قدر مختلف ہوتا تھا جو کہ عمومی طور پر مقامی آبادی کے مزاج اور رسم و رواج کے مطابق ہوتا تھا۔ حیران کن بات ہے کہ اکثر اوقات صوفیاء، لوگوں میں اشاعتِ اسلام میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے۔ مثال کے طور پر اناطولیہ میں حضرت مولانا روم سماع (ڈانس) کرتے اور گاتے ہوئے مقامی مسیحوں کے درمیان اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے یہ صوفیاء ان غیر مسلموں میں بالکل گھل مل جاتے تھے اور عمومی طور پر ان سے انتہائی دوستانہ تعلقات بنا لیتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ تو یہ صوفی حضرات ظاہری طور پر مسلمانوں کے ناپسندیدہ راستہ کو بھی اختیار کر لیتے تھے۔ مثال کے طور پر انگریز ماہر آثار قدیمیہ و مستشرق فریڈرک ولیم ہاسلک نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مولانا روم نے اپنے بہت زیادہ پسندیدہ اور مسلسل ان کی خدمت میں رہنے والے ایک مسیح بشپ دوست کو ان کے مزار کے ساتھ ہی دفن کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ ان کی نہ ختم ہونے والی دوستی یادگار رہے۔ اس خواہش کو بعد میں پورا کر دیا گیا[41]۔ البتہ ہاسلک کی بیان کردہ اس حکایت کو کسی بھی دوسری کتاب یا ذریعہ سے ثابت نہیں کیا جاسکا۔ اگر اس کو سچ بھی مان لیا جائے تو یہ غالب گمان ہے کہ یہ بشپ استنبول وغیرہ سے آیا ہو گا اور مولانا سے دوستی کے ذریعے شاید اسلام بھی قبول کر لیا ہو۔ مولانا نے اسے دوستی اور محبت کا ثبوت دیتے ہوئے کبھی ایسا کہہ دیا ہو گا جسے بعد میں پورا کر دیا گیا ہے۔ میں یعنی اس مقالہ کا مصنف کئی مرتبہ مولانا کے مزار پر گیا ہوں مجھے ایسی کوئی قبر نہیں ملی جس پر کسی مسیح بشپ کا نام لکھا ہو اور نہ ہی میں نے کسی بھی ترک استاذ یا مورخ سے کوئی ایسی بات سنی ہے۔ البتہ یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مولانا رومؒ اور ان کے بعد ان کی طریقت کے صوفیاء نے ہمیشہ ہی نہ صرف مسلم سلاطین، وزراء اور طبقہ امراء کے ساتھ تعلقات قائم رکھے بلکہ ہر مذہب و نسل اور طبقہ کے افراد کے ساتھ ان کے اچھے تعلقات ہوتے تھے۔ مسلم و غیر مسلم، اہل کتاب و غیر اہل کتاب غرض ہر مذہب و نسل کے افراد ان کی خانقاہ پر آتے جاتے رہتے تھے اور ابھی بھی آتے رہتے ہیں۔ میں نے بذاتہ کئی مرتبہ غیر مسلموں کو مولانا روم کے مزار پر آتے اور زیارت کرتے ہوئے

---

[40] Eflaki, *Ariflerin Menkıbeleri*, I, p. 413.
[41] Hasluck, *Sultanlar Döneminde Anadolu'da Hıristiyanlık ve İslam*, I, pp. 23-24.

دیکھا ہے۔ مولوی طریقت کی کتب بتاتی ہیں کہ مولانا روم کی مجالس میں فارسی، اتراک، رومن، آرمینی مسیح حتیٰ کہ یہودی بھی آتے رہتے تھے تھے۔ مولانا رومؒ کے بعد مولوی طریقت کے شیوخ کے قونیہ میں مقیم مسیح راہبوں سے عمومی طور پر دوستانہ تعلقات رہے بلکل جیسے مولانا روم کی زندگی میں تھے۔ مولوی طریقت اور غیر مسلم مذہبی رہنمائوں کے درمیان یہ دوستانہ تعلقات پہلی جنگ عظیم تک باقی رہے[42]۔

ان تعلقات کی ایک جھلک ہمیں مولانا رومؒ کے اپنے جنازہ میں دکھائی دیتی ہے کیونکہ ان کے جنازے میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسیحیوں اور یہودیوں کی ایک بڑی تعداد نے مسلمانوں کی طرح غم میں نڈھال ہو کر شرکت کی تھی۔ مولوی طریقت کے ابتدائی مئولفین میں سے شمس الدین احمد افلاکی (و۔1360ء) کہ جھنوں نے مولانا رومؒ، مولوی طریقت اور سلاجقہ عہد کی زندگی بارے دو جلدوں پر مشتمل کتاب "مناقب العارفین" میں کافی تفصیل سے معلومات دیں ہیں۔ افلاکیؒ کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق مولانا رومؒ کے جنازہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں یہودی، مسیح آہ وفغاں کرتے ہوئے، اپنے ہاتھوں میں زبور، تورات اور انجیل کی آیات پڑھتے ہوئے شریک ہوئے تھے[43]۔ اسکی ایک بنیادی وجہ یہ تھی تھی کہ عمومی طور پر تصوف طریقت کے شیوخ اور رومی طریقت خصوصی طور پر مسلم عوام کیطرح غیر مسلم عوام کے ساتھ بھی انتہاء درجہ کی محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے اور محض دین کے فرق کیوجہ سے اپنی مجالس سے انہیں دور نہیں کرتے تھے اور نہ ہی انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اناطولیہ کے صوفیاء کی اس سوچ کی بہترین جھلک ہمیں ایک دوسرے ترک صوفی یونس ایمرے (و۔1328ء) کے اس جملہ میں نظر آتی ہے جو انہوں نے ساری انسانیت کے لیے کہا تھا۔ وہ کہتے ہیں "ہم خالق کی وجہ سے تخلیق سے محبت کرتے ہیں[44]"۔

سلاطین بھی عمومی طور پر ان صوفیاء سے اچھے تعلقات رکھتے تھے کیونکہ بعض امور میں بادشاہوں پر تنقید کے باوجود عمومی طور ان کی حاکمیت کو مکمل طور پر قبول کرتے تھے[45]۔ صوفیا عام طور پر حکومت پر تنقید سے زیادہ عوام کو اپنی اصلاح نفس کی دعوت دیتے تھے۔ مولوی طریقت کی عمومی سوچ ہمیں مولانا روم کے پوتے عظیم عارف چلبی

---

[42] Speros Vryonis, Nomadization and Islamization in Asia Minor, *Dumbarton Oaks Papers*, V. 29 (1975), pp. 65-66.
[43] Eflaki, *Ariflerin Menkıbeleri*, II, p. 60.
[44] Mikail Bayram, *Sosyal ve Siyasi Boyutlarıyla Ahi Evren - Mevlana Mücadelesi*, Nüve Kültür Merkezi, Konya 2012, 3. edition, p. 167.
[45] Eflaki, *Ariflerin Menkıbeleri*, I, p. 413.

(1320ء) کے بیان سے آشکار ہوتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ "خدا نے طاقت اور اختیار جیسے دیا ہو، حق و انصاف کے تعین کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے[46]"۔ اسی لیے مولوی طریقت کے شیوخ نے سلاجقہ، منگولوں، عثمانیوں یا جمہوریت کسی بھی عہد میں صاحب اختیار لوگوں کے کبھی بھی مخالف نہیں آئے بلکہ ہمیشہ امن و سلامتی کا درس ہی دیا ہے۔

سلاجقہ کی مقامی آبادی کو مسلمان کرنے کی کوشیش:

سلاجقہ خود بھی مسلمان تھے، اس لیے یہاں پر اسلام کی اشاعت ان کا دینی فریضہ تھا۔ ویسے بھی اناطولیہ میں ان کی آمد کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اس خطہ میں دین اسلام کی ترویج و اشاعت تھی۔ سلاجقہ سلاطین نے غیر مسلم رعایا کی شناخت بھی باقی رہنے دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس دینی ذمہ داری کو بھی نبھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ البتہ اس ذمہ دارای کے ایفاء کے دوران سلاجقہ نے کبھی بھی طاقت کا استعمال نہیں کیا تھا۔ کیونکہ قرآن میں بھی دین کے قبول کرنے بارے جبر کرنے کا حکم نہیں بلکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے "دین میں کوئی زبردستی نہیں"[47]۔

البتہ حوصلہ افزائی اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا مسلمانوں میں رواج ہمیشہ سے موجود چلا آرہا ہے۔ سلاجقہ عہد کے سلاطین، وزراء اور صوفیاء کے حالات زندگی بتانے والی کتب اس حوالہ سے بھی خصوصی طور پر معلومات دیتی ہیں کہ فلاں سلطان یا فلاں صوفی بزرگ اپنی زندگی میں اتنے غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لیکر آئے۔ مثلاً ابن بی بی اپنی تاریخ میں سلطان غیاث الدین کیخسرو اول کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ ہر سال ایک لاکھ غیر مسلم غلاموں کو مسلمان کرکے ایمان کا لباس پہناتا تھا[48]۔

ابن بی بی کا یہ بیان یقینی طور پر مبالغہ آرائی پر مبنی ہے لیکن پھر بھی اس سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سلاجقہ بھی مختلف طریقوں سے لوگوں کو اسلام میں لانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کی کتب بڑے سلاطین یا صوفیاء کے لوگوں میں اسلام کی ترویج بارے معلومات دیتے ہوئے قدرے مبالغہ بھی کرتیں تھیں۔

---

[46] Bayram, *Sosyal ve Siyasi Boyutlarıyla Ahi Evren - Mevlana Mücadelesi*, p. 263.

[47] سورۃ البقرہ، 256/2۔ ترجمہ از عرفان القرآن۔

[48] İbni Bibi, *el-Evâmirü'l-ʿAlâʾiyye fi'l-umûri'l-ʿAlâʾiyye*, p. 56.

مثلاً افلاکی کے بقول مولانا روم نے اپنی زندگی میں 18 ہزار لوگوں کو مسلمان کیا۔ اسی طرح شمس تبریزی نے بھی کچھ فرینک لوگوں کو مسلمان کیا تھا[49]۔

اسی طرح کے بیانات اور مناقب اس عہد کے دیگر طریقت تصوف کے شوخ بارے بھی ملتے ہیں۔ حال ہی میں ایک ترک پروفیسر احمد یاشر اوجاق نے اناطولیہ میں اولیاء کے متعلق لکھے گئے مناقب نامہ جات کو تہذیب و ثقافت کے منبع کے طور پر بہترین انداز میں مطالعہ کیا ہے۔ ان کے بقول ان مناقب نامہ جات کو تحریر کرنے کی اصل غایت اس طریقت سے منسوب مریدوں کی تربیت اور مریدوں میں اضافہ، اس طریقت اور شیخ طریقت کی مشہوری اور علماء کی نظر میں اس طریقت کو قابلِ قبول بنانا ہوتا تھا۔ ان مناقب کے طرز پر لکھی گئی کتب میں شیوخ کی کرامات کی اس قدر بھرمار ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ تو وہ شیخ کسی کرامات کے ظاہر ہونے کا انکار بھی کرے تو مرید پھر بھی باز نہیں آتے اور برابر مشہوری جاری رکھتے ہیں[50]۔

اسی واسطہ ہمیں ان مناقب ناموں میں دی گئی معلومات پر اعتماد کرتے ہوئے خوب چھان بین کرنی چاہیے تاکہ حقیقت کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچا جاسکے۔

سلاجقہ کے عہد میں بعض اشخاص کے مادی فوائد کے حصول کے لیے یا مسلم سلجوقی حکومت میں اچھا عہدہ حاصل کرنے کے لیے یا پھر کبھی کبھار کسی مسلمان عورت سے شادی کے لیے بھی اسلام قبول کر لینے جیسے چند واقعات ملتے ہیں۔ عمومی طور پر یونانی یا دوسرے مسیح علاقوں کے غلام اسلام قبول کر لینے کے بعد ایک طرف تو ان کے لیے آزادی حاصل کرنے کے مواقع زیادہ بڑھ جاتے تھے ساتھ ہی ان کی صلاحیتوں کے مطابق حکومت میں کام کے بھی دروازے کھلنے کے ساتھ ساتھ سماج میں بھی ان کے اعتبار میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

اناطولیہ سلاجقہ عہد کی کتب ایسے بہت سے وزراء کے نام ہمیں بتاتی ہیں جو کہ پہلے غلام تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہو گئے تھے۔ ان میں جلال الدین کراطائی، شمس الدین التون بابا، مبارز الدین ارتوکوش جیسے غلام جو کہ بعد میں اعلیٰ حکومتی عہدوں پر رہے کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ اس عہد میں کچھ واقعات ایسے بھی ملتے ہیں جن میں کسی مسیح مرد نے مالی فوائد یا کسی مسلمان عورت سے نکاح کرنے کے لیے اسلام

---

[49] Eflaki, *Ariflerin Menkıbeleri*, pp. 385,389,463.

[50] Ahmet Yaşar Ocak, Kültür Tarihi Kaynağı Olarak Evliya Menakıbnameleri, Timaş Yayınları, İstanbul 2016, pp. 25, 64.

قبول کر لیا ہو۔ مثال کے طور پر سریانی مصنف ابوالفرج سن 1274ء کے واقعات درج کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ موصل کے قریب میخائیل خانقاہ کے نسطوری راہب نے ایک عرب مسلمان خاتون سے شادی کرنے کے لیے مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا[51]۔

اسکی ایک اور مثال جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ سلجوقی سلطان مسعود اول نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک کی شادی بازنطین کے شاہی خاندان کے ایک مرد ثان کو منتوس سے کر دی تھی۔ یہ مرد بعد میں مسلمان ہو کر سلاجقہ کی خدمت میں آ گیا[52]۔

اسی طرح روما سلطنت کی تاریخ و ثقافت کے ماہر انگریز مورخ گبن نے بھی ایک بازنطینی شہنشاہ عظیم الیکسی اوس (م۔1183ء) کے ایک بیٹے جان کا ذکر کیا ہے جس نے ہمیشہ کے لیے مسیحیت کو ترک کر دیا تھا اور رومی سلطنت سے بھاگ کر ترکوں کے پاس چلا گیا تھا۔ اس تبدیلی مذہب کے انعام کے طور پر اسے سلطان کی شہزادی کی صورت میں ملا۔ اس بازنطینی شہزادہ کو چلبی (اصل زادہ، شریف النفس) کا لقب دیا گیا اور اسے جاگیر بھی عطا کی گئی[53]۔

اس عہد کی کتب اس کے برعکس ہوئے بھی چند واقعات بارے ہمیں بتاتی ہیں۔ یعنی کبھی کبھار کوئی ترک یا مسلمان بھی کام کی غرض سے یا پھر کسی بازنطینی خاتون سے شادی کی غرض سے بازنطینی سلطنت میں جا کر مسیحیت اختیار کر لیتا تھا۔ اس عہد کے چند مسیح ذرائع ہمیں کچھ ایسے افراد بارے بھی بتاتے ہیں جو ظاہری طور پر تو مسلمان تھے اور کسی صوبہ کی گورنری کے عہدہ پر فائز تھے لیکن اندر سے وہ مسیح ہی رہے تھے۔ اس کی ایک مثال موصل کا گورنر عبدالمسیح تھا۔ مئورخ الوالفرج کے مطابق یہ شخص ظاہری طور پر تو مسلمان تھا لیکن اندر سے پکا مسیح اور مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ نورالدین زنگی نے موصل کو فتح کیا تو اس شخص کا نام عبدالمسیح سے تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا تھا[54]۔

سلاطینِ سلاجقہ روم کی مسیح بیویاں اور مائیں:

ترکیہ سلاجقہ سلاطین کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے حوالہ سے ایک انتہائی اہم نکتہ ان کے محلوں میں کثیر تعداد میں غیر مسلم خواتین کا موجود ہونا تھا۔ عمومی طور پر یہ رومن، فرینک، جارجین یا پھر آرمینی نسل سے تعلق

---

[51] Ebu'l ferec, *Tarihi*, (T.T.; Ömer Rıza Doğrul), TTK Yayınları, Ankara 1950, II, p. 592.
[52] Altunsoy, *Türkiye Selçuklu Döneminde Gayrimüslimler*, p. 101.
53 گبن، انحطاط وزوال سلطنتِ روما، ج3، ص12۔
[54] Ebu'l ferec, *Tarihi*, II, pp. 411-412.

رکھنے والی مسیح خواتین ہوتیں تھیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ شادیاں سیاسی تعلقات کو مضبوط کرنے یا پھر عسکری تعلقات کو مدِ نظر رکھ کر کی جاتیں تھیں۔ ترکیہ سلاجقہ سلاطین میں سے غیر مسلم شہزادی سے شادی کرنے والے پہلے سلطان قلچ ارسلان اول (1092-1107ء) تھے۔ یہ شادی پہلی صلیبی جنگ کے دوران (1091-1104ء) کے دوران ہوئی تھی۔ یہ خاتون مشہور صلیبی فرینک کیتھولک کمانڈر کنٹ تولوز ریمونڈ چھارم کی بہن ازبیلا تھی۔ اس شادی کے ذریعے سلطان مسعود اول نے صلیبی لشکروں سے سلجوقی سلطنت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے تھے۔ اس شہزادی کا اپنے دین کو تبدیل کرنے یا نہ کرنے بارے مسلم ذرائع مکمل طور پر خاموش ہیں البتہ مسیح ذرائع آخر تک میسحت پر قائم رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سلطان قلیچ ارسلان اول نے ایک جرمن امیر زادی مسیحہ سے بھی شادی کی تھی جو کہ آگے چل کر سلطان عزالدین اول کی والدہ بنی تھیں۔ خود بھی مسیح والدہ سے پیدا ہونے والے سلطان عزالدین مسعود اول (1116-1155ء) نے ایک امیر زادی مسیح خاتون سے شادی کی تھی۔ اس خاتون کے بعد میں اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے بارے اس عہد کی کتب کوئی معلومات نہیں دیتی البتہ یہ ضرور ہوا کہ سلجوقی سلطنت اور صلیبیوں کے درمیان جنگ نہ ہوئی۔ اسی سلطان نے اپنی بیٹی کی شادی ایک بازنطینی شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے مرد سے کی تھی جس کا تفصیل سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

سلطان مسعود اول ہی کی ایک اور بیوی، روسی نواب سفیا تو سلاف یاروسلافیتش ثانی کی بیٹی تھیں جو کہ قلچ ارسلان ثانی کی والدہ بنیں۔ سلطان قلچ ارسلان ثانی (1155-1192ء) کو تخت پر بیٹھتے ہی بازنطینی اور دوسرے دشمنوں سے جنگ کرنی پڑی۔ صلح و دوستی کی کوشش کے لیے سلطان بذاتہ 1162ء میں استنبول آئے جہاں پر ان کی بازنطینی شنشاہ مانوئل اول سے دوستی قائم ہو گئی تھی۔ اس دوستی کو مزید پختہ کرنے اور رشتہ داری میں تبدیل کرنے کے لیے بازنطینی شاہی خاندان سے منسوب ایک شہزادی سے سلطان نے شادی کر لی تھی۔ اس خاتون نے بعد میں اسلام قبول کرتے ہوئے اپنا نام خانم سلطان (ام خان سلطان) رکھ لیا تھا۔ سلجوقی سلطان غیاث الدین کیخسرو اول اسی خاتون کے بطن سے تھے۔ سلطان غیاث الدین کیخسرو اول (1192-1196، 1205-1211ء) اپنے والد سلطان قلچ ارسلان ثانی کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے لیکن جلد ہی اپنے بھائی کیوجہ سے دارالحکومت قونیہ کو چھوڑ کر استنبول جانا پڑا۔ چونکہ انکی والدہ بھی بازنطینی شہزادی تھیں اس لیے انہیں یہ علاقہ زیادہ اجنبی نہیں لگا تھا۔ 1204ء کے لگ بھگ کے سالوں میں انہوں نے ماورموزوس کی بیٹی سی شادی کر لی تھی۔ یہ خاتون بعد میں مسلمان ہوئیں تھیں یا نہیں اس بارے میں اس عہد کی کتب مکمل طور پر خاموش ہیں۔ سلطان علاءالدین کیقباد اول (1220-1237ء) نے والد

غیاث الدین کی خسرو کی وفات کے بعد تخت نشین ہونے پر فتوحات کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے آلانیہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت اس قلعہ کا حاکم کی یر فاردنامی ایک رومن تھا۔ سلطان کی خواہش پر اس رومن نے اپنی بیٹی کی شادی سلطان علاء الدین سے کر دی تھی۔ اس خاتوں بارے ہمیں جو معلومات ملتی ہیں ان کے مطابق اس خاتون کے بطن سے متولد ہوئے سلطان غیاث الدین کی خسرو ثانی نے استنبول کے لاطینی شہنشاہ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ میری والدہ ابھی بھی مسیح ہیں جنھوں نے میرے والد سے شادی کے وقت کے شرط رکھی تھی کہ انہیں دین تبدیل کرنے کے لیے نہیں کہا جائے گا۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سلجوقی محل میں لمبے عرصہ قیام کے بعد بالخصوص عمر کے آخری حصہ میں انہوں نے اسلام قبول کرتے ہوئے اپنانام "ماہ پری" رکھ لیا تھا۔ قیصریہ شھر میں ان کی جانب سے تعمیر کردہ عمارت کہ جو مسجد، مدرسہ اور مزار پر مشتمل ہے اس پر ان کے نام کے ساتھ "خواتین کی ملکہ، مریم زمانی، خدیجہ وقت، زاہدہ، عابدہ، سیدہ،ستیرہ، سعیدہ، مجاہدہ اور شھیدہ" جیسے القابات سے یہ اندازاہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ عمر کے آخری حصہ میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہو گا۔

سلطان علاء الدین کیقباد کے عہد میں جارجیا قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ قلعہ کی ملکہ روسودان نے سلطان کے بیٹے اور آگے چل کر سلجوقی تخت پر بیٹھنے والے سلطان غیاث الدین کیخسرو ثانی (1237-1246ء) سے اپنی خوبصورت بیٹی تامارا کا نکاح کرنا قبول کر لیا تھا۔ سلطان علاء الدین کیقباد کی وفات اور غیاث الدین کیخسرو کے تخت نشین ہونے کے بعد اس جارجین خاتون سے خوب دھوم دھام سے شادی کی گئی تھی۔ دلچسپ بات ہے کہ سلطان نے شادی کے وقت اس شرط کو قبول کر لیتا تھا کہ اس شہزادی کو دین تبدیل کرنے کے لیے قطعاً نہیں کہا جائے گا۔ اسی وعدہ کی بناپر یہ خاتون، سلجوقی محل میں مسیح لباس پہن کر آئی اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنے ساتھ پادری اور مسیح خدمت گار بھی لے کر آئی تھیں۔

سلطان غیاث الدین اپنی اس بیوی سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ اس کے عہد میں ڈھالے گئے سکوں پر اپنے لیے شیر کی شبیہ جبکہ اسکے اوپر سورج کی شبیہ بنوائی جس کی شکل خاتون سے ملتی تھی۔ (مقالہ کے آخر میں سکہ کی تصویر دی گئی ہے۔) یہ خاتون سلجوقی محل میں آنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمان ہو گئیں تھیں اور اپنانام گرجو خاتون رکھ لیا تھا۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد (1245-46ء) اس خاتون نے سلجوقی وزیر سلیمان پروانہ سے شادی کر لی تھی۔ مولانا رومؒ کے مزار کے حوالہ سے مالی مدد کی بناپر مولوی طریقت کی کتب اسے بہت اچھے القابات سے یاد کرتیں

ہیں۔ سلطان غیاث الدین کیسخرو ثانی نے تامارا کے علاوہ قونیہ سے تعلق رکھنے والے ایک امیر مسیح کی بیٹی، ایک رومن راہب کی بیٹی، ایک آرمینی قربرتا کی بیٹی اور ایک رومن لونڈی سے بھی شادی کی تھی۔ ان مسیح خواتین میں سے راہب کی بیٹی کا نام بردولیے بتایا جاتا تھا۔ سلطان عزید الدین کیخسرو ثانی کی والدہ یہی مسیح خاتون تھیں۔ ان میں رومن مسیح لونڈی کے بطن سے رکن الدین چہارم قلچ ارسلان، رومن راہب کی بیٹی سے عزید الدین کیکاوس ثانی، جبکہ تامارا سے علاء الدین کیقباد ثانی پیدا ہوئے تھے[55]۔ ان معلومات کو مختصر اور آسان انداز میں ذیل میں ایک نقشہ میں دیا جا رہا ہے۔

سلجوقی سلطان	مسیح بیوی	اسلام قبول کیا یا نہیں	بیٹا جو سلطان بنا	شادی کی تاریخ
سلطان قلچ ارسلان اول (1092-1107ء)	مشہور صلیبی فرینک کیتھولک کماندار کنٹ تولو ریمونڈ چہارم کی بہن ازبیلا۔ ایک جرمن خاتون سے بھی شادی کی۔	مسلم ذرائع خاموش البتہ مسیح ذرائع آخر تک مسیح ہونے کے دعویٰ دار ہیں۔	سلطان عزالدین مسعود اول	(1091-1104ء)
سلطان عزالدین مسعود اول (1116-1155ء)	ایک مسیح شہزادی سے شادی کی۔	کتب خاموش ہیں	قلچ ارسلان ثانی	سال نہیں بتایا گیا۔
سلطان قلچ ارسلان ثانی (1155-1192ء)	بازنطینی شہزادی	اسلام قبول کر لیا	سلطان غیاث الدین کیخسرو اول	1162ء
۔ سلطان غیاث الدین کیخسرو اول (1192-1196، 1205-1211ء) دو مرتبہ تخت نشین ہوئے۔	بازنطینی ماورموزوس کی بیٹی	کتب خاموش ہیں۔	-	1204ء

[55] سلاجقہ سلاطین کی غیر مسلموں سے شادیوں کی اغراض و مقاصد اور مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
Altunsoy, *Türkiye Selçuklu Döneminde Gayrimüslimler*, pp. 103-105.; İsmail Çiftçioğlu "Anadolu Selçuklu Sultanlarının Gayrimüslim Kadınlarla Evlilikleri", Zeitschrift für die Welt der Türken, Vol.5,No.1 (2013), pp. 10-16.

سلطان علاء الدین کیقباد اول(1220-1237ء)	رومن حاکم یرفارد کی بیٹی (ماہ پری)	زندگی کے آخری حصہ میں اسلام قبول کرلیا تھا۔	سلطان غیاث الدین کیخسرو ثانی	1221ء
سلطان غیاث الدین کیخسرو ثانی (1237-1246ء)	جارجین شہزادی تامارا، قونیہ کے ایک امیر مسیح کی بیٹی، ایک رومن راہب کی بیٹی بردولے، ایک رومن لونڈی سے شادی کی تھی۔	تامارا مسلمان ہوگئی تھی۔ باقی بارے کتب خاموش ہیں۔	بردولیے کے بطن سے عزیدالدین کیخسرو ثانی۔ رومن مسیح لونڈی کے بطن سے رکن الدین چہارم قلچ ارسلان۔ رومن راہب کی بیٹی سے عزیدالدین کیکاوس ثانی، جبکہ تامارا سے علاء الدین کیقباد ثانی پیدا ہوئے۔	1237-38 تامارا سے شادی کا سال۔ باقیوں بارے معلومات نہیں۔

اگرچہ سلاجقہ سلاطین نے یہ شادیاں سیاسی ضروریات کے تحت ہی کیں تھیں لیکن پھر بھی ان خواتین کو مسلمان سلجوقی محلوں میں اپنے دین کے مطابق مکمل آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت دینا سلاجقہ کی غیر مسلموں بارے رواداری کی سوچ کا مظہر ہے۔

خلاصہِ بحث:

سلاجقہ روم کا عہد مذہبی رواداری، فکری آزادی اور بقائے باہمی کے حوالہ سے اسلامی تاریخ کا ایک یادگار عہد ہے۔ اس عہد میں ایک طرف تو اناطولیہ ہمیشہ کے لیے دیارِ اسلام و اتراک بن گیا تو دوسری جانب غیر مسلموں کو بھی اپنے عقائد، شناخت اور رسم ورواج کے مطابق مکمل آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت دی گئی۔

اس مذہبی اور فکری آزادی کے سنہری دور نے ایک ایسے ماحول کو فروغ دیا جہاں مختلف مذاہب کے افراد ایک ساتھ رہتے تھے۔ اسی عہد میں صوفیاء نے اناطولیہ میں اسلام کو پرامن طریقے سے پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سلجوقی سلاطین کے صوفیاء اور مفکرین کے درمیان تعلقات ایک منفرد ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مقامی غیر مسلم آزادی کو اسلام میں لانے کے لیے کوششیں مذہبی احساس ذمہ داری کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئیں تھیں پھر بھی

سلاطین نے "مذہب میں کوئی جبر نہیں" کے قرآنی اصول کو اپناتے ہوئے طاقت کے استعمال سے ہمیشہ گریز کیا۔ سلاطین کی غیر مسلم خواتین سے سیاسی وجوہات کی بنا پر شادیاوں نے سلجوقی تاریخ میں ایک سفارتی جہت کا اضافہ کیا۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے مذہبی اور ثقافتی تنوع کے لیے سلاطین سلاجقہ کا نقطہ نظر ایک اہم اور جامع بقائے باہمی کا ثبوت ہے جس نے زمانہ وسطیٰ میں کئی ادیان، مذاہب، سوچ وفکر کے لوگوں کو ایک ساتھ رہنے کے لیے ماحول فراہم کیا۔